اسلام میں اختلاف کے آداب

(۹)

قرونِ خیر کے بعد اختلاف، اور اس کے آداب

ترجمہ و تلخیص جناب عبدالحی ابڑو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد -

چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں آفتابِ اجتہاد غروب ہوتے ہی مخصوص فقہی مسالک کی تقلید کا دستور رائج ہو گیا تھا - چنانچہ ابو طالب مکیؒ اپنی کتاب "قوت القلوب" میں فرماتے ہیں:

"لوگوں کی (یہ فقہی) تصانیف و تالیف تو بعد کی چیزیں ہیں - پہلی اور دوسری صدی ہجری میں لوگوں کے اقوال (بطور حجتِ شرعی) پیش کرنے کا رواج نہ تھا - اور نہ یہ قاعدہ تھا کہ کسی ایک شخص کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے، ہر مسئلہ اور معاملہ میں اسی کی آراء کو مانا اور بیان کیا جائے اور اسی کے مذہب کو مدارِ یقین قرار دے لیا جائے۔"[1]

تیسری صدی ہجری میں جب کہ اجتہاد کا عمل ابھی جاری تھا، اگرچہ بعض علماء نے اپنے پیشرو اہلِ علم کے مقرر کردہ قواعد اور اصولوں کی روشنی میں مسائل کی تخریج اور استنباط کا کام ضرور انجام دیا، مگر ان کی تقلیدِ شخصی یا صرف انہی کی آراء پر کبھی انحصار نہیں کیا۔

چوتھی صدی ہجری میں اس صورتِ حال میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی - اس وقت لوگوں کے دو طبقے

---

[1] بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۲۱

تھے - ایک طبقہ علماء اور دوسرا طبقہ عوام - عوام کا حال یہ تھا کہ وہ اجتماعی اور اصولی مسائل میں جو تمام مسلمانوں یا عام ارباب اجتہاد کے درمیان متفق علیہ تھے، براہ راست حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کردہ احادیث کی پیروی کیا کرتے تھے، طہارت، نماز، روزے اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل علماء سے سیکھ لیتے اور اسی کے مطابق خود عمل کرتے - اور جب کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آتا تو جو مفتی انہیں میسر آتا، بلالحاظ مسلک و مذہب، اس سے فتویٰ پوچھ لیتے -

جہاں تک اہل علم اور خواص کا تعلق تھا تو حدیث سیکھنے اور سکھانے کے عمل میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان حضرات کے پاس احادیث رسول اللہ اور آثار صحابہؓ و تابعین کا اتنا ذخیرہ ہوتا کہ اس کی موجودگی میں مسئلے کے حل کے سلسلے میں کسی اور چیز کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی - البتہ روایات و آثار کے باہمی تعارض کی صورت میں اگر ترجیح کی کوئی شکل واضح نہ ہوتی اور وہ مطمئن نہ ہوتے تو گذشتہ فقہاء کے اقوال کی طرف رجوع کرتے اور اگر وہاں بھی انہیں کسی مسئلے میں مختلف آراء نظر آتیں تو اہل مدینہ یا اہل کوفہ میں سے جس صاحب علم کی رائے کو دلیل کے لحاظ سے مضبوط اور مستند پاتے اُسے اختیار کر لیتے تھے -

جن علماء میں مسائل کی تخریج کی صلاحیت ہوتی وہ نئے پیش آمدہ مسائل کا حکم معلوم کرنے کے لیے فقہاء کے مقرر کردہ قواعد کی روشنی میں اجتہاد و استنباط سے کام لیتے تھے اور وہ جس مسلک کے قواعد کے مطابق استنباط کا کام سرانجام دیتے — خود انہیں بھی اسی مسلک کی طرف منسوب کیا جاتا تھا - اگرچہ وہ اپنے پیش روؤں کی طرح صرف کسی ایک مکتبۂ فکر یا مسلک کی پابندی نہیں کرتے تھے، جیسا کہ بعد کے ادوار میں ہونے لگا - اسی نسبتِ مسلک کے لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ فلاں شافعی ہے اور فلاں حنفی حتیٰ کہ کسی ایک مسلک سے زیادہ مطابقت کی وجہ سے محدثین کو بھی مختلف مسالک کی طرف منسوب کیا جاتا تھا - مثال کے طور پہ نسائی، بیہقی اور خطابی شافعی مکتبۂ فکر کی طرف منسوب کیے جاتے تھے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں بھی منصب قضاء اسی کو سونپا جاتا جو اجتہادی بصیرت رکھتا تھا - نیز کسی عالم کو فقیہ اسی صورت میں کہا جاتا جب وہ اجتہاد کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتا -

چوتھی صدی ہجری کے بعد حالات کا رُخ

چوتھی صدی ہجری میں حالات نے جو رُخ اختیار کیا ان کا ذکر کرتے ہوئے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن خلفائے راشدین نے بارِ خلافت اٹھایا انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل تھی اور وہ احکام و معاملات میں کمال تفقہ کے حامل تھے۔ لہٰذا نئے پیش آمدہ مسائل میں وہ خود ہی فتویٰ دیا کرتے تھے اور دوسرے فقہا سے وہ صرف اسی صورت میں مدد لیتے تھے، مشورہ ناگزیر ہوتا۔ اس دَور کے علماء کرام نے اپنے آپ کو علمِ آخرت کے لیے وقف کر لیا تھا۔ اور لوگوں کے مسائل و معاملات میں فتویٰ کے کام کو وہ ایک دوسرے پر ٹالنے اور خود کو پورے انہماک کے ساتھ اللہ کی یاد میں محو رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کا مبارک دَور جب ختم ہو گیا تو زمامِ خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو نہ اس امانت کے اٹھانے کی صلاحیت رکھتے تھے اور نہ علمِ فتاویٰ اور احکامِ شریعت سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ اس لیے وہ مقدمات فیصل کرنے اور قضائے شرعی جاری کرنے کے لیے فقہاء سے مدد لینے پر مجبور ہو گئے اور ہر وقت انہیں اپنے ساتھ رکھنا ان کی ضرورت بن گیا۔ (اگو خیر القرون کا دَور ختم ہو چکا تھا، مگر پھر بھی) ایسے علماء سے دُنیا خالی نہ تھی جو قدیم رنگ پر مضبوطی سے قائم تھے اور اخلاصِ دینی کو اپنی عزیز ترین متاع سمجھتے تھے حکومتیں انہیں جتنا بھی اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتیں وہ ان سے اتنا ہی زیادہ دُور ہوتے چلے جاتے۔

جاہ پسند لوگوں نے جب علماء کی یہ آؤ بھگت دیکھی اور اپنے اعراض اور استغنا کے باوجود انہیں اربابِ حکومت کا مطلوبِ خاطر بنا ہوا پایا تو ان کے دلوں میں بھی اس ذریعۂ عزت و اقبال یعنی) علمِ دین کے حاصل کرنے کا انتہائی شوق پیدا ہو گیا تاکہ اسے بازار میں لا کر عزت و شرف کا سودا کر سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درباری علماء و فقہا کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔ اور کل تک جو طبقہ سلاطین سے منہ موڑنے کی بدولت باعزت تھا خود سلاطین کے طواف نے ان کی عزت ذلت میں بدل دی۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

اس زمانے میں چونکہ اسلامی ممالک اور علاقہ جات کے حالات و ضروریات کے پیشِ نظر

فقہی مسائل اور علم فتویٰ کی اشد ضرورت تھی لہٰذا اس دور میں علم فتویٰ پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ مگر بعد میں جب اصولِ عقائد اور علمِ کلام کے مناظروں میں دلچسپی لینے والے چند خلفاء اور سلاطین پیدا ہو گئے تو یہ حضرات بھی علمِ کلام میں مشغول ہو گئے، انھی علوم و فنون کی کتابیں تصنیف کی جانے لگیں اور مناظروں اور مباحثوں کے طریقے مرتب کیے جانے لگے۔ جس طرح اہلِ فتویٰ کا دعویٰ تھا کہ ان کا مقصد لوگوں کے دینی مسائل کا حل پیش کرنا اور ان کی دین سے وابستگی کو برقرار رکھنا ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی اپنی اس ساری جدوجہد کا مقصد یہ بیان کرتے تھے کہ وہ بھی اس کے ذریعہ خدا کے دین اور سنّتِ نبوی کو بدعات و خرافات سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔

جب تک اس میدان میں اہلِ علم کا غلبہ رہا۔ اس علم کی بنیادیں بھی استوار رہیں۔ مگر پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ناپختہ کار لوگ بھی علمِ کلام میں دخل اندازی کرنے اور مناظروں میں دلچسپی لینے لگے جس سے تعصب و تشدد سے بھرپور جنگ و جدال کے مناظرے ہونے لگے اور نوبت قتل و غارت تک پہنچ گئی۔

رفتہ رفتہ جدل اور مناظروں کا شوق لوگوں میں اس قدر بڑھ گیا کہ بعض ناپختہ افراد نے فقہی مسائل میں بھی اس طرزِ عمل کو رواج دیا۔ انھیں اس بات کی وضاحت کا بڑا شوق تھا کہ فلاں مسئلہ میں اولیٰ مسلک، مسلکِ حنفی ہے یا مسلکِ شافعی؟ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اربابِ فن، کلام اور دیگر علوم کے میدانِ تحقیق و جستجو سے نکل کر اختلافی مسائلِ فقہیہ کے معرکے میں اُتر آئے (جہاں خاص طور سے حنفی اور شافعی مذاہب کو مناظروں کے لیے منتخب کر لیا گیا جبکہ امام مالک، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری اور دوسرے آئمہ کے مذاہب سے مناظرانہ موشگافیوں کے لیے لوگوں نے دلچسپی نہ لی (جس کا واضح سبب غالباً یہ تھا کہ اُمراء و خلفاء کو صرف حنفیت اور شافعیت ہی کے مناظروں سے دلچسپی تھی)۔

ستم یہ کہ وہ اپنی اس مساعی پر نازاں بھی تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ اس طرح شریعت کے نہ صرف یہ کہ اسرار و دقائق کا استنباط کر رہے ہیں بلکہ ہر مذہب کے علل اور مصالح بیان کر کے اُصولِ فتویٰ کو مدوّن کرنے کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ اِس خیال کے تحت انھوں نے

تصنیفات اور استنباطات کا ڈھیر لگا دیا اور بحث وجدال کے گوناگوں اسلحہ ایجاد کر ڈالے۔ افسوس کہ وہ اب تک اسی روش پر چلے جا رہے ہیں اور نہیں معلوم کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔"

مندرجہ بالا تحریر کا جائزہ لینے سے ہمیں درج ذیل چند چیزیں معلوم ہوتی ہیں:

۱— امام غزالی نے خلفائے راشدین کے بعد اُمتِ مُسلمہ کو لاحق ہونے والے اصل روگ کی بنیاد فکری اور سیاسی قیادت کے الگ الگ ہو جانے کو قرار دیا ہے اور جو ہماری تاریخ کا ایک ایسا بدنما داغ ہے جسے آج تک دُور نہ کیا جا سکا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف اسلامی سیاست سے ناواقفیت کی بنا پر حکمران غیر اسلامی سیاسی حرکتوں کا ارتکاب کرتے رہے اور دوسری طرف ہماری فقہ میں ایسے فرضی مسائل کی بھرمار ہو گئی جن کا نہ تو عملی زندگی سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی وہ روزمرہ زندگی کا اس طریقے پر کوئی حل پیش کرتے تھے جس طرح صحابہ و تابعین کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ فقہ و اُصولِ فقہ کے ضمن میں مذکور مسائل میں سے زیادہ تر حصہ اُن فرضی مسائل کا ہے جنھیں اختلاف اور مناظرہ بازی نے جنم دیا۔

۲— فقہ اسلامی، جو شریعت کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کے تحت لوگوں کو روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ مسائل کے حل کا ذریعہ تھی، رفتہ رفتہ حکومتِ وقت (چاہے اس کی نوعیت اور بنیاد کچھ بھی ہو) کی مددگار اور معاون بن کر اس کے ہر اقدام کے لیے وجہِ جواز فراہم کرنے کا ایک آلہ بن گئی۔ اس کا نتیجہ مسلمانوں کے قانونی نظام میں خلل اور عجیب قسم کی ناہمواری کی صورت میں نکلا۔ یہاں تک کہ ایک ہی شخص کا کوئی عمل ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں کسی کے ہاں جائز اور کسی کے ہاں ناجائز قرار پانے لگا۔ اس کا ثبوت کتبِ فقہ میں "ابواب المخارج والحیل"[1]

---

[1] حافظ ابن قیم نے حیلہ بازی کی ماہیت، قسموں اور ہر قسم کے حکم کے بارے میں اپنی کتاب اعلام الموقعین (۳—۲/۱) میں خاصی طویل بحث کی ہے اور بہت سی مثالیں بھی ذکر کی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں: کوئی قاتل خود پر سے قصاص ساقط کرنا چاہے اور اس کے لیے یہ صورت اختیار کرے کہ جسے قتل کرنا ہو اس کے جسم میں زخم لگا کر کوئی زہرآلود دوا اس میں ڈال دے یا اُسے زہریلی دوا (باقی بر صفحہ آئندہ)

دشرعی احکام سے راہ فرار کے راستے اور حیلے بہانے) کے نام سے وہ قواعد اور مثالیں ہیں جن سے ان کتابوں کے سینکڑوں اوراق کالے کیے گئے۔ اور جن میں مہارت کسی بھی فقیہہ کے علمی مرتبہ و مقام اور برتری کی دلیل ہوا کرتی تھی۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا دین کی گرفت کمزور پڑتی گئی۔ اور یہ معاملہ شدت اختیار کر گیا۔ دوسری طرف مسائل شرعیہ کی بابت لوگ تساہل برتنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض مفتی حضرات ایسے فتوے بھی صادر کرنے لگے جن کے متعلق ان کے پاس نہ صرف یہ کہ کوئی دلیل نہیں ہوتی تھی، بلکہ فتوے کی درستگی کا خود ان کو بھی یقین نہیں ہوتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہہ دیتے کہ اس میں لوگوں کے لیے تخفیف اور نرمی ہے، یا ایسی سختی ہے جس کی وجہ سے حدود شریعت سے تجاوز کو روکا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ حکومت وقت کے بعض کارپردازوں کو ایسی رخصتیں دیتے جو عام مخلوق کے لیے نہیں ہوتیں[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

پلادے تو اصحاب حیل کہتے ہیں کہ اس پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اُسے قاتل شمار نہیں کیا جائے گا۔ یہ ناقابل تسلیم حیلہ بازی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے مرض موت میں بیوی کو وراثت سے محروم رکھنا چاہے اور اسی عالم میں اگر اُسے طلاق دے دے گا تو قاضی اُسے وراثت سے حصہ دلائے گا کیونکہ مرض موت کے دوران کی طلاق معتبر نہیں۔ تو اس کے لیے انہوں نے یہ حیلہ بتایا کہ بجائے طلاق دینے کے یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اسے مرض موت سے پہلے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ اسی طرح بعض مال دار زکوٰۃ سے جان چھڑانے کے لیے یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ سال پورا ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے اپنا مال کسی کو بطور "ہدیہ" دے دیتے ہیں یا اسے بیچ دیتے ہیں یا اپنی زکوٰۃ کسی تھیلی یا برتن میں رکھ کر اُسے مستحق کے حوالے کرتے ہیں گویا انہیں زکوٰۃ دے دی اور پھر اس سے واپس لے لیتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ اس لیے کہ انسان کا معاملہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر سے ہے جو سارے پوشیدہ رازوں کو بخوبی جانتا ہے۔

[1] مناہج الاجتہاد فی الاسلام (محمد سلام مذکور) ص ۵۱۴ - ۵۰۴، اُصول الاحکام (حمد کبیسی) ص ۳۹۰۔

کوئی سائل عورت یا عضوِ تناسل کو چھونے کے بارے میں سوال کرتا تو جواب ملتا کہ امام ابوحنیفہ رحؒ کے ہاں اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

شطرنج کھیلنے یا گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے: امام شافعی رحؒ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

ملزم کو مارپیٹ کرنے یا تعزیر دینے میں حدود سے تجاوز برتنے کے متعلق سوال کیا جاتا تو کہا جاتا: امام مالک رحؒ اسے جائز ٹھہراتے ہیں۔

کسی وقف کی ملکیت جب بیکار ہو جائے، اس سے استفادہ ممکن نہ ہو، اور متولی کے پاس اسے دوبارہ آباد کرنے کے لیے رقم بھی نہ ہو تو اسے بیچنے کے لیے کوئی راستہ نکالنے کے لیے فتویٰ دیا جاتا کہ امام احمد کے مسلک کے مطابق اسے بیچنا جائز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ خیر کی طرف سے وقف کردہ املاک ذاتی ملکیت میں تبدیل ہونے لگیں [1]

خدا کے خوف اور تقویٰ کے جذبہ میں جیسے جیسے کمی آتی گئی، مقاصدِ شریعت اور شرعی قواعد و ضوابط سے بھی غفلت اور روگردانی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ کچھ دریدہ دہن، نیم پاگل اور گمراہ شعراء احکامِ الٰہی کا مذاق اڑانے لگے۔ چنانچہ ابونواس کہتا ہے:

اباح العراقی النبیذ وشربه	وقال حراما ن: المدامة والسکر
وقال الحجازی الشرابان واحد	فحلت لنا من بین قولیهما الخمر
سآخذ من قولیهما طرفیهما	واشربها لافارق الوازر الوزر

(عراقی کہتے ہیں کہ نبیذ اور اس کے مشروب کا استعمال جائز ہے، البتہ شراب اور نشہ حرام ہے۔ حجازی کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اب دونوں باتوں سے شراب ہمارے لیے حلال ہو گئی۔ اب میں دونوں اقوال میں سے ہر ایک کا ایک ایک حصہ اختیار کرتے ہوئے شراب پیوں گا۔ اس طرح اس کے استعمال کی ذمہ داری سے بھی محفوظ رہوں گا)۔

---

[1] الارتسامات اللطاف: امیر شکیب ارسلان